رنگِ خیال

عصرِ حاضر میں قرآنی خدمات کی ایک جھلک

عصرِ حاضر میں قرآن مجید کے تعلق سے تحریر وتقریر کی دنیا میں خاصا کام ہو رہا ہے۔ مفکروں، دانشوروں اور مصنفوں کی قرآن کی جانب میں مراجعت ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی روایات معاشرت کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں دیکھنے اور اسے صحیح سمت میں لانے کی کوششیں ہو رہی ہیں تمام شعبہ ہائے حیات کو مشرف بہ قرآن کرنے کی کوششوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اور قرآن مجید کی روشنی میں اسلامی لٹریچر کثرت سے شائع کرنے کا رجحان بھی پیدا ہو رہا ہے۔

اسی مناسبت سے ذیل میں خالصتاً قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر کے حوالے سے کچھ عمدہ اور ہمت افزا گزارشات پیش خدمت ہیں۔ چند ماہ قبل پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری (بانی وسرپرست اعلیٰ ادارہ منہاج القرآن) کا ترجمہ قرآن بنام عرفان القرآن موصول ہوا۔ اس ترجمہ کو متعدد روایتی اور غیر روایتی خوبیوں کا حامل پایا۔ چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔ بعض مقامات پر آیات کریمہ کے دو دو تین تین اور چار چار ترجمے کیے گئے ہیں۔ اس سے الفاظ قرآنی کی وسعتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور مترجم کے علم کا بھی۔ گویا جس مترجم کا جتنا علم ہے وہ اتنا ہی آشکار ہے۔ بعض متقدمین کے ہاں بھی اس طرح کے نظائر موجود ہیں۔ گو تعداد میں بہت کم ہی سہی پر موجود ہیں۔ بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں مترجم کو مقام تفرد حاصل ہوا ہے۔ قبل ازیں اس طرح کے تراجم بھی بہت کم ہوئے ہیں۔ اس سے مترجم کے مقام تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ عرفان القرآن میں عصر حاضر کی بعض اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں۔ جسے عہد رواں کا قاری نہ صرف بآسانی سمجھ سکتا ہے بلکہ ان اصطلاحات کی مدد سے مفہوم قرآنی کو بسہولت باور بھی کر سکتا ہے۔ ترجمہ میں کہیں کہیں تفسیر وتشریح کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ بایں طور یہ ایک عمدہ وضاحتی ترجمہ بن گیا ہے جو افادۂ عام کے لئے یقیناً مفید اور پرسہولت ہے۔ ترجمہ نگار، جس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اس لئے موصوف نے بعض مقامات پر مسلک اہلسنت (بریلویہ) کا بھی خیال رکھا ہے۔ عرفان القرآن میں بعض الفاظ قرآن کی بہت عمدہ وضاحت کی گئی ہے۔ عشق رسالت ﷺ کی آئینہ داری بھی اس ترجمہ کا نمایاں وصف ہے۔

قرآن کے آخری پاروں میں بالخصوص پارہ عم میں سائنسی نظریات وحقائق کو بھی ترجمے میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی خوبیاں ہیں۔ جسے ہر قاری اپنے ذوق اور علم کے مطابق اخذ کر سکتا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود ترجمہ بہر حال ترجمہ ہے۔ اور کوئی ترجمہ حرف آخر نہیں ہو سکتا۔ بعض مقامات پر مترجم سے قاری کو (بشرطیکہ وہ عالم بھی ہو) اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ بحیثیت مجموعی یہ بہت عمدہ ترجمہ ہے۔ پروفیسر صاحب یقیناً اس ترجمہ کی بنیاد پر علمی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن (کراچی) کے ایک عظیم المرتبت استاد محمد انور بدخشانی کا فارسی ترجمہ پچھلے دنوں نظر نواز ہوا۔ یہ ترجمہ فارسی میں ہونے کی وجہ سے پاکستانی عوام میں تو پذیرائی سے محروم رہے گا۔ تاہم فارسی دانوں میں یقیناً اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ فارسی جاننے والے بشرطیکہ قرآنی فہم سے مالا مال ہوں تو وہ اس ترجمے کو نہ صرف سمجھ سکیں گے بلکہ اس کے محاسن کو بھی اجاگر کر سکیں گے۔ ترجمے پر تبصرہ تفصیلی مطالعے کے بعد ہی ممکن ہے۔ سر دست ترجمے کے تعلق سے کچھ دوسری معلومات پیش خدمت ہیں۔ مترجم انور بدخشانی کے بقول ان کے ترجمہ قرآن کے فارسی واردو منابع و ماخذ یہ ہیں۔

۱۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الرحمٰن

۲۔ ترجمہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔ ترجمہ تفسیر کابلی (مترجم نے اس فارسی ترجمہ تفسیر کے مترجم ومفسر کا نام درج نہیں کیا ہے اور عربی مراجع میں پانچویں نمبر پر تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی (تفسیر کابلی) درج کیا ہے۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ تفسیر کابلی سے مراد کہیں یہی تو تفسیر تو نہیں مگر پھر یہ شبہ یوں زائل ہو جاتا ہے کہ اگر یہی تفسیر مراد ہوتی تو مترجم اس کا ذکر عربی مراجع میں کیوں کرتے؟ اہم حال پیش لفظ میں مترجم نے اسے واضح نہیں کیا ہے)

۴۔ ترجمہ وتفسیر خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵۔ ترجمہ سلطان العلماء مولوی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ایرانی)

۶۔ تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۷۔ ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اردو)

۸۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۹۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۰۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۱۔ ترجمہ وتفسیر از عبدالماجد دریابادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۲۔ جواہر القرآن از حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

علاوہ ازیں عربی مراجع میں مترجم نے پندرہ تفسیروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جسمیں تفسیر کابلی از شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ودقائق التفسیر از علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور التفسیر المنیر۔ نیز التفسیر الوسیط از وھبہ الزحیلی بھی شامل ہیں۔

مترجم بدخشانی نے ترجمے کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ سید شریف جرجانی کا فارسی ترجمہ، ہندوستانی تاجروں نے اپنے تجارتی مقاصد کے لئے سعدی شیرازی کے نام سے چھاپ دیا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ شیخ سعدی میدان ترجمہ وتفسیر کے شہسوار نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے علوم قرآنی پر کچھ کام کیا ہے۔ اس ضمن میں مترجم موصوف نے تفسیر حقانی کے مقدمے کا حوالہ بھی دیا ہے۔

میں نے اس حوالہ کو تفسیر حقانی میں خود دیکھا ہے۔ وہاں صرف یہ لکھا ہے کہ "ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف علی جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔" (تفسیر حقانی (جلد اول) ص ۱۲۸، شاہ عبدالحق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ المحصل۔ ناشران، تاجران کتب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، سنہ اشاعت درج نہیں)

مترجم انور بدخشانی نے اپنا یہ ترجمہ ماہ رجب ۱۴۱۳ھ کو شروع کیا تھا جسے مکمل کرنے کے بعد تفسیری کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ جسے مترجم کے بقول بہت جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے گا۔ یہ ترجمہ باریک سفید اور عمدہ کاغذ پر بیت العلم کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ جو ۱۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

کچھ عرصہ قبل محمود اشرف صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن محترم خالد جامعی کے ذریعے ملا ہوا اس ترجمے کے بعض مقامات کمپوزنگ کے وقت خالد صاحب نے مجھے بھی دکھلائے تھے۔ جسے میں نے بعض انگریزی تراجم کے ساتھ کمپیئر کیا تھا اور یہ ترجمہ مجھے پسند آیا تھا۔ نمونے کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

In the Name of Allah, Ever Beneficent, Infinitaly Merciful.

مترجم موصوف نے اپنے ترجمہ میں ہر جگہ اللہ کو کیپٹل لیٹرز میں ALLAH لکھا ہے اور بولڈ کر کے لکھا ہے۔ کہیں بھی God نہیں لکھا۔ ان کا یہ تفرداتی اہتمام قابل داد اور لائق اتباع ہے۔ مترجم نے رب کا

ترجمہ ہر مقام پر LORD سے کیا ہے۔ پھر یہ کہ اللہ کے تعلق سے آنے والے تمام ضمائر (Pronouns) کو بھی کیپٹل لیٹرز میں بولڈ کر کے لکھا گیا ہے جیسے HE, HIS, HIMSELF, YOU, YOUR, WE, OUR وغیرہ اس طرح ترجمہ پڑھنے والے کو پہلی نظر میں ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ضمائر کا مرجع کون ہے؟ مترجم موصوف نے ربو کا ترجمہ Illegalgain سے کیا ہے جو بلاشبہ بہت عمدہ اور جامع لگتا ہے۔ شاید انگریزی تراجم میں یہ ان کا تفرد بھی ہو۔ فیکلٹی آف اسلامک اسٹیڈیز، جامعہ کراچی نے جہازی سائز کے ۸۰۵ صفحات پر مشتمل اس ترجمہ کو شائع کیا ہے۔

عصر حاضر کی ایک عمدہ تفسیر

ملک کے ممتاز عالم دین مولانا عبدالکریم اثری متعدد علمی فکری اور نظری کتابوں کے مصنف و محقق ہیں۔ قرآن مجید کے انتہائی رواں، شستہ اور عام فہم زبان میں ترجمے کے مترجم بھی ہیں اور نو ضخیم مجلدات پر مشتمل تفسیر عروۃ الوثقیٰ کے مفسر بھی، جو متعدد قدیم و جدید تفاسیر سے استفادہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ ایک اہلحدیث عالم کی طرف سے جدید رجحانات کو پیش کرنے والی تفسیر پڑھکر حیرت ہوتی ہے۔ متعدد خوبیوں سے مالا مال تفسیر کی کما حقہ اہمیت اور عظمت کا اندازہ بالاستیعاب پڑھنے کے بعد ہی ممکن ہے۔ بادی النظر میں جو امور سامنے آتے ہیں۔ وہ یہ ہیں ۱۔ عقائد و احکام و معاملات وغیرہ کے مباحث تفسیر یہ کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی کسوٹی پر بغیر مسلکی تعصب کے پرکھا گیا ہے۔ ۲۔ تفسیر میں کسی مخصوص مسلک ونظریے کی وکالت بے جا نہیں کی گئی ہے۔ ۳۔ تفسیر میں فروعی موشگافیوں سے اجتناب برتا گیا ہے اور غیر ضروری مباحث کو شامل کر کے اسے بوجھل ہونے سے بچایا گیا ہے۔

تفسیر کو پڑھ کر کلام الٰہی کی عظمت، رفعت اور اسکی ضرورت و اہمیت نیز آیات ربانی کی لاریب فضیلت کا نقش پڑھنے والوں کے دلوں پر بآسانی مرتسم ہوتا ہے اور اس کا قاری الفاظ قرآنی کے معجز نما معانی ومفاہیم کو ابواب کی صورت اپنے اوپر وا ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اور ایسا اس لیے ممکن ہوا ہے کہ مفسر نے اپنی تفسیر میں مسلک پرستی کی ترویج واشاعت کو اپنا شعار نہیں بنایا ہے۔ اہلحدیث ہونے کے باوجود متعدد مقامات پر اہلحدیث نقطۂ نظر سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اور یوں حق گوئی وحق بیانی کی نہایت عمدہ مثال قائم کی ہے۔ اس طرح مفسر نے واقعی تفسیر قرآن لکھنے کا حق ادا کیا ہے۔

مولانا کا تفسیری کام عصر حاضر کا قابل قدر کارنامہ ہے جو میرے نزدیک وحی وعقل کے

باہمی تلازم کے بنیادی اصول کے عین مطابق ہے اور یہ اصول بجائے خود قرآن سے ماخوذ و مستفاد ہے۔ ہر تفسیر کا ایک مرکزی خیال ضرور ہوتا ہے اور ہر مرکزی خیال کی کوئی نہ کوئی مرکزی اساس بھی ضرور ہوتی ہے۔ ہمیں مولانا کی تفسیر کے جن مقامات کو جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا ہے اس کے مطابق ہمیں تفسیر کی اساس عقل و وحی کے باہمی تلازم کے اصول پر مبنی نظر آئی ہے۔

مولانا کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ احادیث سے استدلال محققانہ انداز میں کرتے ہیں یعنی جب وہ اسے قرآن اور عقل ہر دو کے مطابق سمجھتے ہیں تو کرتے ہیں بصورت دیگر نہیں کرتے۔ یوں حدیث کے باب میں ان کا استدلال اسلوب مشرف بہ عقل و وحی ہے۔ اس طرز استدلال نے مولانا کو ہمعصر علماء اور طبقۂ مفسرین میں بہت نمایاں اور ممتاز بلکہ منفرد کر دیا ہے۔

تفسیر العروۃ الوثقیٰ کی ایک لاجواب اور منفرد خوبی یہ بھی ہے کہ یہ بہت کم عرصے میں لکھی گئی ہے۔ یعنی چار سال آٹھ ماہ کے عرصے میں نو ضخیم مجلدات کا لکھنا یقیناً کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اتنے کم عرصے میں اتنا زیادہ لکھنے کا جو ریکارڈ مولانا کے حصے میں آیا ہے۔ اس وصف میں کوئی دوسرا ان کا مدمقابل نظر نہیں آتا۔ علامہ غلام رسول سعیدی بھی بہت زود نویس مانے جاتے ہیں۔ جنہوں نے بارہ سالوں میں بارہ ضخیم جلدیں لکھ ڈالیں۔ مگر اثری صاحب نے تو علامہ غلام سعیدی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اس تفسیر میں بعض مقامات بہت نازک اور حساس بھی ہیں جہاں عام ڈگر سے ہٹ کر تفسیر کی گئی ہے۔ یہ وہی مقامات ہیں جنہیں مفسر کے تفردات یا امتیازات کا نام دیا جائے گا اور اس سے انکی علمی فکری اور تحقیقی مقام کو متعین کیا جائے گا اور ان کے رجحانات ذہنی و عقلی کو سمجھا جائے گا۔ بلاشبہ یہ تفسیر اس لائق ہے کہ اسکے مفسر کو سرکاری اور غیر سرکاری ہر دو سطح پر اعلیٰ پائے کے علمی و تحقیقی ایوارڈ سے نوازا جائے۔ اور ملکی جامعات میں اس تفسیر کی ضرورت واہمیت اور دیگر معاصر تفاسیر سے تقابل کے عنوان سے اس پر پی ایچ ڈی کروایا جائے۔ خوش قسمتی سے مفسر تفسیر ہذا ابھی بقید حیات ہیں اور اپنی حیات فانی کا بہتر واں ورق پلٹ چکے ہیں۔ اور گجرات (پاکستان) میں مقیم ہیں۔ اللہ ان کا سایہ علم و فضل امت مسلمہ پر قائم و دائم رکھے (آمین)۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے یہ فقط اس تفسیر پر ایک مختصر اظہار یہ ہے۔ البتہ نقد و نظر کے ساتھ مفصل مقالہ لکھنے کی آرزو ہے۔ دیکھئے کب پوری ہوتی ہے؟ یہ تفسیر انجمن اشاعت اسلام محلہ عالیہ (رجسٹرڈ) منڈی بہاالدین یا مکتبہ الاثریہ جناح اسٹریٹ، گجرات سے منگوائی جاسکتی ہے۔ مدیر اعلیٰ

مغفرت ذنب کا معنیٰ و مفہوم

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج
استاذ الفقہ والتفسیر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

سورۂ فتح کی دوسری آیت ہے۔ لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر۔ الآیۃ۔ اس فقرہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے مغفرت ذنب کی نوید دی گئی ہے اور ذنب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ زمانہ گذشتہ کے ذنب پر اور دوسرا زمانۂ آئندہ کے ذنب پر مشتمل ہے۔ بالعموم ہمارے مترجمین نے لیغفر کے معنی بخشنے، معاف کرنے اور درگزر کرنے سے کیے ہیں۔ جب کہ بعض نے ڈھانک دینے اور حفاظت کرنے سے اس لفظ کا مفہوم ادا کیا ہے۔ ذیل میں ہم لیغفر کے مادہ غفر کے معنی لغت سے پیش کرتے ہیں:

المفردات میں ہے۔ ۱- الغفر الباس ما یصونه عن الدنس۔ کسی کو ایسی چیز پہنا دینا جس سے وہ میل وغلاظت سے محفوظ رہے۔ اس تصریح کی رو سے غفر کا معنی محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ غفر المتاع فی الوعاء، کا مطلب سامان کو کسی برتن میں ڈال کر ڈھانک دینا یعنی اس طرح اسے محفوظ کر دینا ہوتا ہے۔ اس لیے مغفرت کے معنی ہیں۔ عذاب سے محفوظ رکھنا۔ قرآن کریم میں بھی مغفرۃ کا لفظ عذاب کے مقابلہ پر آیا ہے۔

اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى والعذاب بالمغفرة ۔[۲]

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب۔

سورۂ بقرہ میں مغفرۃ کا لفظ فقر کے مقابلہ پر بھی آیا ہے۔

الشيطان يعدكم الفقر ويامركم بالفحشاء والله يعدكم مغفرة منه وفضلا ۔[۳]

شیطان تمہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لیے) فقر کا خوف دلاتا ہے۔ اور تمہیں بخل ہی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔

اس آیت کی رو سے مغفرۃ کے معنی ہیں فقر و تنگدستی اور افلاس و احتیاج سے محفوظ رکھنا۔ اسی مادہ (غفر) سے باب استفعال میں استغفار کا لفظ آیا ہے، جس کے بنیادی معنی ہیں حفاظت طلب کرنا۔ حفاظت طلبی کی رو سے کسی سے معافی چاہنا اور بخشش مانگنا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

سورۂ غافر (مومن) اور سورۂ محمد میں اسی باب سے استغفر کا امر وارد ہوا ہے۔ جس کے مخاطب حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

فاصبر ان وعد الله حق و استغفر لذنبک۔ الخ۔[5]

پس آپ انتظار کیجیے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ صدورِ گناہ سے (اللہ کی) حفاظت طلب کرتے رہیے۔

یہاں استغفر کا معنی گناہوں سے حفاظت طلب کرنا ہے نہ کہ گناہوں کی معافی مانگنا۔ گناہوں کی معافی چاہنے کا مطلب ہوتا ہے گناہوں کا ہونا اور پھر سزا سے بچنے کے لیے بخشش چاہنا۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے ثانی الذکر مطلب بیان کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ جو دوسروں کو گناہوں سے پاک کرنے تشریف لایا ہو وہ خود کیسے گناہگار ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة۔۔ الآیۃ[6]

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا۔ وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور ایسے ہی الفاظ متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ دیکھیے البقرہ ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران۔ ۱۶۴ التوبہ ۱۰۳۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی متعدد آیات سے عصمت انبیاء ثابت ہے۔ اس لیے اس آیت میں استغفار کے معنی سوائے صدورِ گناہ سے طلب حفاظت کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔

بقول پیر محمد کرم شاہ الازہری کے "بعض علماء نے غفر کا معنی بچالینا اور محفوظ کر لینا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم رکھا ہے۔ اس حفاظت ربانی کے باعث نہ پہلے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ آئندہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگا"۔[7]

اور سورۂ محمد میں آیا ہے:

فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبک و للمومنین والمومنت۔[8]

پس یقین رکھیے اور لوگوں پر ظاہر کرتے رہیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور صدورِ گناہ سے حفاظت طلب کیجیے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے خدا سے بخشش و معافی مانگیے۔

واضح ہو کہ استغفار کی نسبت، جب بھی انبیاء علیہم السلام کی طرف ہوگی۔ اس سے مراد ہمیشہ گناہ سے یقینی حفاظت چاہنا ہوگی اور غیر انبیاء کی طرف قرآن کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا کہ اسے طلب حفاظت کے معنی میں لیا جائے یا بخشش و معافی کے معنی میں۔

سورۂ آل عمران میں ہے:

فاعف عنهم واستغفر لهم۔ الآیۃ[9]

پس آپ ان کو معاف کر دیجیے اور ان کے لیے آئندہ گناہ سے حفاظت طلب کیجیے۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کی بخشش و معافی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ولقد عفا الله عنهم۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دیا ہے۔ پس جس کو خدا معاف کر چکا ہو اس کے لیے استغفر لهم (دعائے معافی) کا حکم غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کے بعد دعائے معافی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے آیت بالا میں استغفر لهم کا مفہوم آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اسے معافی اور بخشش کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ دراصل یہ آیت اس امر کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ استغفار سے مراد گناہ سے حفاظت طلب کرنا بھی ہوتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو معاف کرنے کے بعد اپنے رسول کو بھی انہیں معاف کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان اصحاب سے آپ ہی کے حکم کی نافرمانی ہوئی تھی۔ اس لیے انہیں آپ کا بھی معاف کرنا ضروری تھا۔ کیوں کہ اس حکم میں آپ کی تکریم مقصود تھی۔ سورۂ بنی اسرائیل (اسریٰ) میں آتا ہے: فانه کان للاوابین غفورا۔[10]

اواب اسے کہتے ہیں جو بالارادہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور یہ وہ لفظ ہے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے لیے اور نیز تمام اہل جنت کے لیے استعمال فرمایا ہے[11] ظاہر ہے کہ خدا کی طرف بار بار رجوع کرنا اس امر کو کب مستلزم ہے کہ رجوع کرنے والا گناہگار بھی ہے۔ اس لیے خدا کا غفور ہونا یہاں پر یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اواب بندوں کو گناہوں سے بچاتا رہتا ہے۔ انہیں گناہوں میں مبتلا

ہونے ہی نہیں دیتا۔

خود قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال دونوں معنوں میں یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے۔ پھر یہ امر بھی قابل حفظ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی عفو اور غفر کا لفظ اکٹھا آیا ہے وہاں عفو ہمیشہ پہلے آیا ہے اور غفر بعد میں اور چوں کہ عفو کے معنی معاف کرنے یعنی گناہ کی سزا سے بچانے کے ہوتے ہیں۔ اس لیے عفو کے بعد غفر کے معنی گناہ سے بچانے کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے ورنہ تکرار لازم آئے گی۔ عربی لغت کے مطابق عفو اور مغفرۃ میں فرق یہ ہے کہ غفران میں سزا قطعاً نہیں ہوتی جب کہ عفو سزا سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور سزا کے بعد بھی۔

عفو اور غفر کی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں بھی اپنی صفات عفواً اور غفوراً کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ وہاں بھی عفواً کو پہلے غفوراً کو بعد میں رکھا ہے۔[۱۳] جو اس امر کی شہادت ہے کہ قرآن مجید میں غفر اپنے معنی و مفہوم میں عفو سے بڑھا ہوا ہے۔ یعنی اگر عفو کا معنی، گناہوں کی سزا سے محفوظ کرنا ہے تو غفر کا معنی گناہوں سے محفوظ کرنا ہے اور یہی وہ لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لیے استعمال فرمایا ہے۔

مزید تائید کے لئے ملاحظہ فاعف عنا واغفرلنا وارحمنا۔ الخ[۱۴]

پس ہمارے (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرما اور (آئندہ) گناہوں سے حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما۔

مزید یہ کہ جنت میں اہل جنت کی اس دعا کا ذکر سورۂ تحریم میں آتا ہے جس میں کہا گیا ہے۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا۔ الخ۔[۱۵]

اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہماری حفاظت فرما۔

اگر یہاں واغفرلنا کا مطلب ہمیں بخش دے ہمیں معاف کر دے، سے ادا کیا جائے تو گناہوں کے ساتھ جنت میں جانا ثابت ہو جائے گا، جو ناممکن ہے چوں کہ اس آیت میں استغفار کی ضرورت، جنت میں بھی بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معافی کی دعا نہیں بلکہ اپنے رب کی حفاظت میں رہنے کی دعا ہے۔ کیوں کہ جنت میں جانے کے بعد گناہوں کی بخشش اور معافی کا تصور، تحصیل حاصل ہے جب کہ حفاظت الٰہی کو پانے اور اس میں افزونی کی دعا، اس تحصیل حاصل، سے پاک ہے۔

الغرض سورۂ غافر اور سورۂ محمد کی آیات میں آپ نے دیکھا کہ حضور کے لئے استغفر لذنبک کے الفاظ آئے ہیں جو براہ راست حضور سے خطاب پر مشتمل ہیں جب کہ سورۂ فتح میں غفر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔

واضح ہو کہ سورۂ غافر اور سورۂ محمد کی طرح یہاں غفر ذنب کا مطلب صدور گناہ سے حفاظت کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ یہاں ما تقدم کے الفاظ بھی آئے ہیں جو ماضی کے اعمال و افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گناہ سے حفاظت، ماضی کے اعمال و افعال پر کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لیے اس آیت میں اس فقرہ کی وجہ سے ایسا مفہوم اخذ کرنے کی ضرورت ہے جو بیک وقت ما تقدم اور ما تاخر دونوں کے لحاظ سے درست ہو۔ نیز جو سیاق کلام اور نظم قرآن کے پہلو سے بھی ٹھیک بیٹھتا ہو۔

پھر اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں موجود لفظ ذنب کا مطلب بھی سمجھا جائے۔ ذنب کا سب سے زیادہ استعمال میں آنے والا معنی گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ذنب کو گناہ کے معنی میں جن مترجمین نے لیا ہے ان کی تعداد کثیر ہے۔ تاہم ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی، ڈپٹی حافظ نذیر احمد دہلوی، محمود حسن (اسیر مالٹا) عبدالحق حقانی، خواجہ احمد الدین، ثناء اللہ امرتسری، امین احسن اصلاحی، احمد سعید دہلوی، محمد جونا گڑھی اور فتح محمد خان جالندھری۔ واضح رہے کہ ان تمام مترجمین نے ذنب کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ میں نمونے کے طور پر فقط شاہ عبدالقادر کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں:

"تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے"۔[۱۶]

یہاں ان مترجمین کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جنہوں نے ذنب کا ترجمہ تو گناہ سے کیا، لیکن اس کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نہیں کی اور وہ مترجمین یہ ہیں: احمد رضا خان بریلوی، فرمان علی (اہل تشیع)، اور ناصر مکارم شیرازی (اہل تشیع) اور نمونے کے طور پر فرمان علی کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

"تا کہ خدا تمہاری امت کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے"[۱۷]

گناہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو ہماری زبان اور عرف میں سختی، شدت اور سنگینی کا حامل ہے۔ شاید اسی لیے بعض مترجمین نے ذنب کا ترجمہ بجائے گناہ کے ان الفاظ سے کیا ہے جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے گناہ کے مقابلہ میں ہلکے اور خفیف مانے جاتے ہیں۔ مثلاً اشرف علی تھانوی، عبدالماجد دریا بادی، احمد سعید دہلوی اور وحید الدین خان نے اس مقام پر ذنب کا ترجمہ خطاؤں سے کیا ہے۔ عبدالرحمٰن کیلانی نے مترادفات میں لکھا ہے کہ "ذنب عام ہے، ہر چھوٹے بڑے گناہ کے لیے جب کہ خطا ایسا گناہ ہے جو بلا ارادہ سرزد ہو۔"[۱۸]

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ذنب کا ترجمہ کوتاہی سے، محمد مالک کاندھلوی نے تقصیرات سے اور عبدالکریم اثری نے لغزشوں سے کیا ہے۔ اور سید احمد سعید کاظمی نے بظاہر خلاف اولیٰ کام سے اس کا مفہوم